بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

مسلمانوں کے زوال کا سبب اور عروج و زوال کا مفہوم

دنیا بھر میں مسلمانوں کے عروج و زوال کے پیمانوں کو خالص مادی نقطہ نظر سے جانچا جا رہا ہے جس کا نتیجہ پے در پے شکست ہے۔ مسلمانوں کا زوال اس دن شروع ہو گیا تھا جس دن انھوں نے دلوں کو تسخیر کرنے کے لئے دعوت و تبلیغ کے اصل فریضہ سے ہاتھ اُٹھا لیا اور تسخیر کائنات کشور کشائی اور جہاں آرائی کو اصل فریضہ حیات سمجھ لیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب دعوت و تبلیغ کے کام سے عدم دلچسپی کا رویہ تھا۔ قرآن اور سنت سے عروج کا جو مفہوم ملتا ہے وہ سورۃ نصر میں واضح کر دیا گیا ہے "یدخلون فی دین اللہ افواجاً" اسلام اور امت مسلمہ روئے زمین پر قبضہ کرنے، سروں کے مینار کھڑے کرنے، کشتوں کے پشتے لگانے اور کائنات کو تسخیر کرنے کے لئے مامور نہیں کی گئی، اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو تسخیر کائنات کے لئے نہیں عبادت رب کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس امت کا اصل کام دعوت و تبلیغ ہے۔ یہ دعوت ہی اس امت کی مخفی اور حرکی توانائی کی روح ہے۔ اس دعوت کی راہ میں درپیش ہر رکاوٹ کے خلاف حالات و زمانہ کی رعایت اور قرآن و سنت میں طے شدہ اصولوں کے مطابق اجتہاد، جہاد اور قتال کی مکمل اجازت ہے۔ یہ امت بنیادی طور پر امت وسط ہے اس کا اصل کام دعوت ہے، اقتدار، حکومت، طاقت، شان و شوکت اگر دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور لوگ دین کے دائرے میں داخل نہ ہوں تو فتوحات کا کیا فائدہ؟ دعوت کا یہ عمل اس بے پناہ محبت اور شفقت کے بطن سے پھوٹتا ہے جس میں داعی مدعو کی خیر خواہی کے لئے ہمہ وقت بے قرار رہتا ہے۔ اس کی واحد آرزو یہی ہوتی ہے کہ اس کے عزیز، اقارب اطراف و جوانب کے سب لوگ جنت میں داخل ہو جائیں یہ آرزو اس کے اندر ایک ایسی تڑپ گزار کشش تب و تاب، سوز و ساز اور بے قرار پیدا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رسول رحمت ﷺ سے کہنا پڑتا ہے کہ " [redacted] کیا آپ اپنی جان کو ان کے غم میں گھلا دیں گے۔" محبت کا یہ جھرنا جس قلب سے پھوٹتا ہے وہ قلب دنیا کے پورے قالب کو بدل ڈالتا ہے وہ خلق کے لئے ریشم کی طرح نرم اور رزم حق و باطل میں فولاد کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

☆ الغرم بالغنم ☆ خسارہ نفع کے ساتھ ساتھ ہی ہوتا ہے ☆

دلوں کو فتح کرنا ہی عروج ہے اگر ساری کائنات تسخیر ہو جائے اور فتح بھی ہو جائے لیکن کسی ایک فرد کا دل نہ بدلے اور وہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو تو یہ عروج نہیں زوال ہے۔ یہ عروج طاقت سے نہیں محبت کی کیفیت سے عطا ہوتا ہے۔ خلق سے محبت ایسی محبت جو مدعو کو فتح کر لے یہ فتح دائمی ہوتی ہے، جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ بھی ہے اور فاتحِ آخرت بھی۔ عباسی عہد سے لے کر آج تک پوری دنیا کی اسلامی تاریخ میں کوئی ایسی تحریک نہیں ملتی جس نے غیر مسلموں میں دعوت دین اور تبلیغ کو اپنی تحریک کا اصل ہدف قرار دیا ہو، اس وقت دنیا بھر میں کام کرنے والی تمام تحریکیں یا تو مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کی تحریکیں ہیں یا محض اصلاح اور احیاء کی تحریکیں ہیں۔

دعوت و اصلاح کی تحریکیں اور احیاء کی تحریکوں میں ایک بنیادی نوع کا فرق ہے۔ دونوں تحریکوں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن دونوں کا طریقہ کار مختلف ہے۔ احیاء کی تحریکیں نعرہ مستانہ، ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ پر یقین رکھتی ہیں۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح آتی اور چھاتی چلی جاتی ہیں۔ ان کے مثبت اثرات بھی ہوتے ہیں، منفی اثرات بھی، اس کے برعکس دعوت و تبلیغ کی تحریکوں کا کام، کام کا اسلوب اور معاشرے میں اثر پذیری کا طریقہ احیائی و اصلاحی تحریکوں سے الگ ہوتا ہے، وہ شبنم اور دیمک کی طرح کام کرتی ہیں۔ شبنم کی آواز کبھی کسی نے سنی ہے؟ لیکن صبح طلوع فجر کے وقت ہر پھول، شاخ، پتہ، گھاس کی پتی، زمین کا ذرہ ذرہ شبنم سے تر بتر ہوتا ہے۔ صبح سویرے شبنم روئے زمین کا منہ دھلاتی ہے اور اس زمین پر موجود ہر شے کو اپنے وجود سے تر و تازہ کر دیتی ہے۔ دیمک اپنا کام رفتہ رفتہ دکھاتی رہتی ہے، جب کام مکمل ہو جاتا ہے تو وہ نمودار ہوتی ہے۔ اس کے طلوع کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے کام اب شروع کیا ہے، جب وہ عمارت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیتی ہے تو نمودار ہوتی ہے اور اپنے توانا وجود کا اعلان کرتی ہے۔ دعوت کی تحریکیں نیچے سے اوپر کی طرف جاتی ہیں جبکہ احیائی تحریکیں اوپر سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہیں، ایک سفر فرش سے شروع ہوتا ہے دوسرا سفر عرش سے دعوتی تحریکیں فرد کو بدلتی ہیں پھر معاشرے کو بدلتی ہیں، دوسری تحریکیں حکومت کو بدلنا چاہتی ہیں دنوں میں تطابق کی ضرورت ہے۔ دعوت دین کا کام نہایت صبر و تحمل، عرق ریزی، قربانی اور صلہ و ستائش کی تمنا سے بے پروا ہو کر محض آخرت کی کامیابی کے لئے ہوتا ہے۔ یہ دنیا اور اس دنیا کے علائق سے داعی بے پرواہ ہوتا ہے، وہ حاضر و موجود سے بے زار ہوتا ہے۔

اسے تمکن فی الارض نعروں اور اقتدار کے لئے غیر اخلاقی رسہ کشی کے نتیجے میں نہیں انعام کے طور پر عطا کیا جاتا ہے جس کا وعدہ اللہ نے ان بندوں سے کیا ہے جو ''صالح'' ہیں، دعوت کی

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

تحریکیں دین کا بنیادی کام کرتی ہیں، وہ قربانی لینے کے بجائے قربانی دینے کو اہم سمجھتی ہیں، وہ انبیاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ''لوگ وں سے اجر کی طلب گار نہیں ہوتیں'' دعوت اور اجرت کی طلب قرآن کی نظر میں دو متضاد نقطہ نظر ہیں۔ داعی حریص اور منصب کا طلب گار نہیں ہوتا وہ کسی کا حریف نہیں ہوتا وہ ہر ایک کا خیر خواہ ہوتا ہے، اس کی مثال سورج اور چاند کی طرح ہوتی ہے جو بلاتفریق اپنی روشنی سے کافر و مؤمن کو یکساں طور پر مستفید کرتے ہیں، اس لئے داعی دلوں کو فتح کرتا ہے اس کا اقتدار دائمی ہوتا ہے، اسے عارضی اقتدار بھی عطا ہوتا ہے۔ سیاست دان اقتدار کو فتح کرتا ہے یہ عارضی ہوتا ہے، اس کے لئے وہ بھرپور کوشش کرتا ہے۔ عالم اسلام کی تحریکیں تبلیغ دین کی تحریکیں نہیں ہیں ان کے مخاطب مسلمان ہیں، غیر مسلم اور کفار نہیں۔ ان معنوں میں ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال یہی تھا کہ اقتدار ملنے کے بعد وہ فریضہ دعوت سے غافل ہو گئے اور عروج کے اس تصور کو بھول گئے جو سورۂ نصر میں بیان ہوا ہے کہ ''لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ عروج یہی ہے کہ دنیا کے تمام لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر جنت کے حقدار ہو جائیں۔ اگر یہ عروج حاصل نہ ہوا تو زوال مقدر ہے لہٰذا طاقت ور ہونے کے باوجود بہت سی مسلمان ریاستیں اصلاً زوال پذیر ریاستیں ہیں، عروج سائنس کی ترقی اور بلند معیار زندگی سے نہیں ملتا، عروج کا اسلامی تصور یہ ہے کہ کتنے لوگ آخرت میں کامیابی کے حقدار ٹھہرے اور اس کا مادی مظہر یہ ہے کہ کتنے لوگوں نے دل و جان کے ساتھ دین کی دعوت کو قبول کیا۔ افسوس کہ عصر حاضر کے بیشتر مسلم مفکرین کے یہاں عروج کا تصور محض مسلمانوں کا اقتدار سائنسی اور معاشی ترقی رہ گیا ہے۔ مادیت کے تصور میں آخرت بھرتی کے طور پر شامل ہے۔

یہ سوال نہایت اہم ہے کہ ہندوستان میں ریاستی سطح پر تبلیغ و دعوت کا کام کیوں نہیں ہو سکا یا کیوں نہیں کیا گیا اور مسلمانوں نے مقامی زبانوں کی تحصیل اور اس میں کمال حاصل کرنے پر کیوں توجہ نہیں دی۔ اگر صوفیاء بزرگ، درویش نہ ہوتے تو ہند میں مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہوتی، صوفیاء بزرگ اور درویش معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھتے تھے وہ ہندوستان کی تمام اہم زبانوں سے واقف تھے جس خطے کو تبلیغ کے لئے چنتے اس کی زبان رسوم و رواج اور عادات و اطوار سے گہری واقفیت پیدا کرتے اسی لئے اکثر صوفیاء و درویش ماہر لسانیات بھی ہوتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان علماء بھی چار پانچ زبانیں عام طور پر جانتے تھے۔

کیا کبھی کسی نے اس بات پر غور کیا کہ اس کے اردگرد بسنے والے غیر مسلموں کے اسلام

☆ الاجر والضمان لا یجتمعان ☆ اجرت اور ضمانت ایک ہی شی میں جمع نہیں ہو سکتیں

سے بے بہرہ رہنے اور ان تک اسلام کی دعوت نہ پہنچانے کا سوال آخرت میں اس سے ہوگا؟

ہم جو برس ہا برس سے غیر مسلموں کے ساتھ رہ رہے ہیں اور انہیں اسلام کی دعوت نہیں دے رہے تو کیا ہم ان کے کافر رہنے پر راضی ہیں؟ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی کسی کافر کے لمحہ بھر کافر رہنے پر بھی راضی ہوا تو وہ خود کافر ہو جائے گا......تو پھر ہم کیوں غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت عام کرنے پر توجہ نہیں دے رہے۔ عروج کا حصول دعوتِ دین میں ہے اور دعوت و جہاد کا کام ترک کرنا زوال کا موجب ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں ہر زوال سے بچائے اور بچنے کی تدابیر نصیب فرمائے۔ (آمین) (بشکریہ ماہنامہ ساحل، کراچی)

سیمیناروں کی بہار......................

گزشتہ ماہ ملک بھر میں متعدد سیمینارز منعقد ہوئے گویا موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی سیمیناروں کی بھی بہار آ گئی سیمیناروں کے رنگ برنگے اور خوبصورت عنوانات سے مزین دعوت ناموں اور invitation cards کی لائن لگ گئی۔ان سیمیناروں میں سے جو ہمارے لئے سب سے اہم تھا وہ کتابوں کی نمائش کے ساتھ ساتھ کتاب کے عنوان پر رکھا گیا سیمینار تھا جس کا اہتمام جامعہ نعیمیہ لاہور نے کیا۔ گو ہم بنفس نفیس تو اس میں شریک نہ ہو سکے تاہم ہماری روح ایک عدد مقالے کے ساتھ اس میں شریک رہی۔ کتاب، مؤلف اور ناشر اس سیمینار کا موضوع خاص تھے اور تینوں ہی اس میں بڑی تعداد میں شریک بھی تھے۔

دوسرا بڑا سیمینار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے کراچی میں تھا جسے بڑ لوگوں نے سیمینار سے زیادہ عرس کا رنگ دے دیا تھا، اس سیمینار کی خاص خوبی مولانا سید شاہ تراب الحق قادری صاحب کا خلاف معمول دھیما دھیما مگر موضوع کا احاطہ کرتا ہوا خطاب اور دودھ کی سبیل تھی۔ توقع تھی کہ ایک آدھ دیگِ بریانی کے پیسے بچا کر اس موقع پر کوئی کتابچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات وارشادات کے حوالہ سے شائع کیا جائے گا مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا، ایک سی ڈی کی تقسیم کی شنید تھی سو وہ بھی شاید دودھ کی خوش ذائقگی کی نذر ہو گئی۔

تیسرا بڑا سیمینار اسلامی روحانی مشن کراچی کا تھا جس میں حسب سابق پروفیسر محمد مقصود الٰہی صاحب نے بھرپور انداز میں بے عملی و بدعملی کے خلاف کھل کر خطاب کیا اور لوگوں کو اپنا عمل درست کرنے کی تلقین کی۔ اس سیمینار کے اسی فیصد شرکاء نوجوان تھے اور باقی ادھیڑ عمرے اور بزرگ بھی نوجوانوں کے جھرمٹ میں خود کو نوجوان ہی محسوس کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں لاہور اور کراچی سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور بصیر پور شریف سے فقیہ اعظم علامہ نور اللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ پر سیمینارز میں شرکت کے دعوت نامے آئے ہیں۔ مجلس فکر و نظر لاہور کا دعوت نامہ الگ رکھا ہے مگر آدمی کہاں جائے اور کہاں نہ جائے.....................